قسم کے بعض احکام

علامہ صدر شہید

قسم کی قانونی حیثیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما (م ۶۸ھ) سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالیمین علی المدعی علیہ [1]
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہونے کو قانونی حیثیت دی)

"قضی" بمعنی شرع، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے مدعا علیہ کے ذمہ ہونے کو شرعی حیثیت دی۔

یہ حدیث اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو حضرت ابن عباس اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔[2] (مدعی کے ذمہ ثبوت اور انکار کرنے والے پر قسم لازم ہے)۔ یہ حدیث اس مشہور واقعہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس میں حضرمی اور کندی نے باہم جھگڑا کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے ثبوت طلب کیا تھا، جب اسے کوئی ثبوت نہ ملا تو آپ نے قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہونے کو قانونی حیثیت دی۔

جھوٹی قسم کھانے پر وعید اور اس کے مختلف نام:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ (م ۳۲ھ) سے روایت ہے:

من حلف علی یمین وھو فیھا فاجر لیقتطع بھا مال رجل مسلم لقی اللہ سبحانہ و تعالی وھو علیہ غضبان (۳)

(جس شخص نے ایسی قسم کھائی کہ جس میں وہ جھوٹا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے، تو وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہو گا)

اس نوعیت کی قسم کے یہ نام ہیں: یمین غموس، یمین صبر، یمین فاجرہ۔ یمین غموس (ڈبو دینے والی) کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس طرح کی قسم قسم کھانے والے کو گناہ اور آگ میں ڈبو دے گی اور یمین صبر کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ صبر بمعنی روک دینا ہے گویا وہ شخص اس قسم کے ذریعہ اپنے آپ کو جنت میں داخل ہونے سے روک دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ صبر کا مطلب پابند کر رکھنا ہے۔ اسی سے "مصبورہ" ہے یعنی "مجوسہ" مصبورہ وہ چیز ہے جس کو تیراندازی کے لئے بطور ہدف استعمال کیا جائے، گویا وہ شخص اس قسم کے ذریعہ اپنی ذات کو عذاب و عقاب کا پابند کر لیتا ہے۔ اور یمین فاجرہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قسم کھانے والا اس قسم کے باعث فاسق و فاجر بن جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ (م ۳۲ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من حلف علی یمین صبر لیقتطع بھا مال امری مسلم لقی اللہ تعالی وھو علیہ غضبان، فانزل اللہ تعالی تصدیق ذلک قولہ ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا ... الی قولہ و لھم عذاب الیم (۴)

(جو شخص قسم صبر اس لئے کھائے کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال ناجائز طور پر ہتھیا لے تو وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہو گا، اللہ تعالی نے اس امر کی تائید میں اس آیت کا نزول فرمایا ہے: ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا۔ ولھم عذاب الیم۔ (۵) (وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

قیامت کے روز ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہے)

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کفار و منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کے اموال کو حلال سمجھتے تھے' اس لئے کہ یمین غموس کا تعلق اگرچہ کبائر سے ہے مگر اس طرح کی قسم کھانے والا ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اور مومن ہمیشہ کے لئے آگ میں نہیں رہے گا۔ جب وہ اس دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا تو یہ اللہ تعالی کی مرضی ہے کہ اس کو اس کی بداعمالی کی وجہ سے جہنم میں سزا دے کر پھر اسے جنت میں داخل کر دے یا اسے معاف کر دے اور اسے جنت میں داخل کر دے۔

اشعث بن قیس (٦) بیان کرتے ہیں:

حین سمع قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ: من حلف علی یمین وھو فیھا فاجر...
قال: فی واللہ نزلت' کان بینی و بین رجل من الیھود ارض فجحدنی' فقدمتہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الک بینۃ؟ قلت لا' قال للیھودی: احلف' قال: قلت یا رسول اللہ اذن یحلف فیذھب بمالی' فانزل اللہ تعالی ھذہ الآیۃ: ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا ... الآیۃ (٣)

(جب انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی یہ حدیث من حلف علی یمین وھو فیھا فاجر۔ الخ سنی تو کہا کہ بخدا یہ آیت میرے معاملے میں نازل ہوئی ہے' ایک یہودی اور میرے درمیان زمین کا جھگڑا تھا۔ یہودی نے اس کو میری زمین ماننے سے انکار کر دیا' تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ قضیہ پیش کر دیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم کھاؤ' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ شخص تو قسم کھا کر میرا مال لے جائے گا' تب اللہ تعالی نے اس آیت کا نزول فرمایا: ان الذین یشترون بعھد اللہ الخ)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی نہ کہ مومنین

کے بارے میں۔ اس روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بار ثبوت مدعی کے ذمہ اور قسم مدعا علیہ پر لازم ہے۔

عامر شعبی سے روایت ہے:

قال الاشعث بن قیس: کان بین رجل مناوبین رجل من الحضر مین یقال لہ الجفشیش خصومۃ فی ارض فاختصما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال للکندی: بینتک اویحلف، فقال: ان شان ارضی اعظم من ذلک، ای لا یحلف علیہا، قال: فقال النبی علیہ الصلوۃ والسلام: ان یمین المسلم من وراء ماھو اعظم من ذلک، فلما ذھب یحلف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من حلف کاذبا ادخلہ اللہ تعالی النار، قال: فقال الرجل: اصلح بینی و بینہ (۸)

(اشعث بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ایک آدمی اور ایک حضرمی جس کا نام جفشیش تھا کے درمیان زمین کے معاملے میں کوئی جھگڑا تھا وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کندی سے فرمایا: تم اپنا ثبوت پیش کرو ورنہ یہ شخص قسم کھائے گا۔ کندی نے عرض کیا، میری زمین کی حیثیت اس سے کہیں بالاتر ہے، یعنی یہ شخص زمین کے لئے قسم نہ کھائے، آپ نے فرمایا: ایک مسلمان کی قسم کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ اھم اور بڑا ہے۔ جب وہ شخص قسم کھانے لگا تو آپ نے فرمایا: جو شخص جھوٹی قسم کھائے اللہ تعالی اس کو جہنم میں داخل کرے گا راوی کہتا ہے کہ اس پر اس شخص نے کہا: میرے اور اس کے درمیان صلح کرا دیجئے)۔

"ایک مسلمان کی قسم کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور بڑا ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو دنیوی وبال و نقصان اٹھانا پڑے گا اور اس کے ساتھ ہی اس کو اخروی سزا بھی ملے گی، یہ اس مدعی بہ (زمین) سے خواہ یہ کتنی ہی خطیر ہو کہیں زیادہ اہم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی جب کسی شخص سے قسم لینا چاہے تو مناسب یہ ہے کہ اسے جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں وعید سے متنبہ کر دے، تاکہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز آ

جائے۔

کردوس ثعلبی اشعث بن قیس سے روایت کرتے ہیں:

اختصم رجل من حضر موت و رجل من کندة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال الحضرمی: یا رسول اللہ، ارضی فی ید ھذا اغتصبھا ابو د، فقال الکندی: ارضی فی یدی ورثتھا من ابی، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الک بینة یا اخا حضر موت؟ قال: لا یا رسول اللہ، لکن خذلی یمینہ مایعلم انھا ارضی اغتصبھا ابو د، فتھیا الکندی لیحلف، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من اقتطع مالا بیمینہ لقی اللہ تعالی وھو اجذم، فلما سمع الکندی ذلک کف عن الیمین واعطاد الارض [۱۰]

(حضرموت کے ایک شخص اور کندہ کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش کیا، حضرمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری زمین پر اس شخص نے قبضہ کر رکھا ہے جو اس کے والد نے مجھ سے غصب کر لی تھی۔ کندی نے جواب دیا: میرے قبضہ میں میری ہی زمین ہے جو مجھے اپنے والد سے وراثت میں ملی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرمی کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کوئی ثبوت نہیں لیکن آپ اس سے یہ قسم لیں کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ زمین میری ہے جسے اس کے باپ نے غصب کر لیا تھا، کندی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قسم کے ذریعے کسی کا مال ہتھیائے وہ اللہ تعالی سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ "اجذم" ہو گا، جب کندی نے یہ سنا تو وہ قسم کھانے سے باز آ گیا اور زمین حضرمی کو دے دی)

"اجذم" کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں: اس سے مراد مقطوع الید (ٹنڈا) ہے، اس لئے کہ اجذم مقطوع الید ہوتا ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد مقطوع الحجہ ہے اور یہی صحیح ہے یعنی جھوٹی قسم کھانے والے کے لئے عند اللہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، اس کی مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا:

میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی)

من تعلم القرآن ثم نسیہ لقی اللہ وھو اجذم (۱۱)

(جو شخص قرآن مجید پڑھ لے پھر اسے بھول جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اجذم ہو گا)۔

یہاں بعض کے نزدیک اس سے مراد مقطوع الید ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد مقطوع الحجہ ہے' مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے قرآن مجید پڑھا پھر اس نے اسے پڑھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ اسے (قرآن کو) بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہو گی۔

قسم مدعا علیہ کے ذمہ

طلحہ بن عبداللہ بن عوف (۱۲) سے روایت ہے:

امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیا فنادی حتی بلغ الثنیۃ: لا تجوز شھادۃ خصم ولاظنین و ان الیمین علی المدعی علیہ (۱۳)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا چنانچہ اس نے منادی کی یہاں تک کہ اس کی آواز ثنیہ تک پہنچ گئی کہ: فریق مخالف اور متہم (جس پر الزام ہو) کی شہادت جائز نہیں اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے)

"ثنیہ" مدینہ منورہ کے مکانوں سے دور ایک مقام کا نام ہے' منادی کرنے والے کی آواز اس مقام تک پہنچ گئی تھی۔

فریق مخالف کی گواہی اس لئے جائز نہیں کہ جب وہ ایک فریق ہے تو گواہی دینے کے معاملے میں اس پر جھوٹ بولنے کا الزام آ سکتا ہے۔

- الظنین - یعنی متہم' اس کی تشریح پانچویں باب میں "خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنام ابو موسیٰ اشعری" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

-ان الیمین علی المدعی علیہ- (قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے) الیمین پر الف و لام داخل

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جملہ ابہام قسم مدعا علیہ ہی کے ذمہ ہیں اور یہی ہمارے مسلک کے مطابق ہے (۱۴)

اعمش (م ۱۴۸ھ) حسان بن ابی اشرس سے اور وہ قاضی شریح کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

انہ اتاہ رجل فقال: ان هذا باعنی جاریة ملتوية العنق' قال شريح: بينتک انه باعک والافيمينه بالله ما باعک ذا فيها (۱۵)

(قاضی شریح کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ اس شخص نے میرے ہاتھ ایک لونڈی فروخت کی ہے جس کی گردن ٹیڑھی ہے۔ قاضی شریح نے (مشتری سے) کہا: آپ یہ ثبوت پیش کریں کہ اس نے آپ کے ہاتھ یہ لونڈی فروخت کی ہے' ورنہ یہ (بائع) اللہ کی قسم کھائے گا کہ اس نے اس عیب کے ساتھ آپ کے ہاتھ یہ لونڈی فروخت نہیں کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی میں عیب اس وقت بھی موجود تھا' اگر اس وقت لونڈی میں عیب موجود ہوتا تو قاضی شریح مقدمہ کی سماعت ہی نہ کرتے۔

یہ کہ اس طرح کی مدت میں کوئی عیب وقوع پذیر ہو جائے تو بائع کا قول معتبر ہوگا۔

یہ کہ قسم بائع پر پڑے گی اس لئے کہ اسی کا قول معتبر ہوگا' قاعدہ یہ ہے کہ شریعت میں جس کا قول معتبر ہو اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا' اس لئے بائع اللہ کی قسم کھائے کہ اس نے تمہارے ہاتھ بیماری فروخت نہیں کی اس سے مراد وہ لونڈی ہے جس میں بیماری یعنی کوئی عیب ہو' کیونکہ بیماری تو فروخت نہیں کی جاتی۔ جیسے بیع سلم کے معاہدے میں لکھا جاتا ہے اور اس سے مراد وہی کچھ ہوتا ہے جو مروج ہو۔

عمران بن حصین (م ۵۲ھ) سے روایت ہے:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاهدين واليمين على المدعى عليه

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کا حکم دیا ہے اور یہ کہ قسم مدعا علیہ کے ذمے ہے)

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ دو گواہ اور قسم مدعا علیہ پر لازم ہوں گے' بلکہ اس سے مراد تقسیم حجت ہے' یعنی ثبوت مدعی کے ذمہ اور قسم کی ذمہ داری مدعا علیہ پر جیساکہ مشہور حدیث کے ضمن میں تشریح گزر چکی ہے۔

قاضی کا فریقین سے سوال

مصنف احمد بن عمر فرماتے ہیں: جب دونوں فریق قاضی کے پاس پیش ہو جائیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ مدعی کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس کے دعوی کے متعلق سوال کرے' اس مسئلہ پر مشائخ کا اختلاف ہے' مصنف کی رائے کے مطابق قاضی مدعی سے سوال کرے۔

مدعی اپنا دعویٰ پیش کر دے تو کیا قاضی مدعا علیہ سے اس کا جواب دریافت کرے؟ اور اس سے کہے تمہارے خلاف یہ شخص جو دعوی کر رہا ہے اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اس بارے میں بھی مشائخ کا اختلاف ہے

مصنف کی رائے کے مطابق قاضی مدعا علیہ سے سوال کرے۔ اگر مدعا علیہ اقرار کر لے تو قاضی اس اقرار کو کاغذ پر تحریر کر کے اپنے ریکارڈ میں رکھ لے' تاکہ اس کے بعد مدعا علیہ انکار نہ کر سکے۔ مدعا علیہ انکار کرے تو اس کے انکاری بیان کو اسی کاغذ پر تحریر کر کے اپنے ریکارڈ میں رکھ لے۔

اگر مدعا علیہ انکار کرے تو کیا قاضی مدعی سے یہ سوال کرے کہ مدعا علیہ نے آپ کے دعوی کا انکار کر دیا ہے؟

اس بارے میں بھی مشائخ کا اختلاف ہے۔ مصنف کی رائے کے مطابق قاضی مدعی سے سوال کرے' اگر مدعی یہ کہے کہ اس (یعنی مدعا علیہ) سے آپ قسم لیں' تو کیا قاضی مدعی سے کہے کہ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اس بارے میں بھی مشائخ کا اختلاف ہے' مصنف کی رائے کے مطابق قاضی مدعی سے پوچھے۔

☆ کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

اگر مدعی یہ کہے: ہاں میرے پاس ثبوت موجود ہے (یعنی اس شہر میں نہ کہ کمرہ عدالت میں)، لیکن آپ مدعا علیہ سے قسم لیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاضی مدعی کا یہ مطالبہ قبول نہ کرے اور مدعا علیہ سے قسم بھی نہ لے۔

امام ابو یوسف (م۱۸۲ھ) کے نزدیک قاضی اس کا یہ مطالبہ قبول کرلے اور مدعا علیہ سے قسم لے لے۔ امام محمد (م۱۸۹ھ) کا قول اس بارے میں غیر واضح ہے۔

یہ مسئلہ چونکہ مختلف فیہ ہے اس لئے قاضی اس میں اجتہاد سے کام لے، اگر اس کا رجحان امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) کی رائے کی طرف ہو تو وہ مدعا علیہ سے قسم نہ لے اور اگر اس کا رجحان صاحبین کی رائے کی طرف ہو تو وہ مدعا علیہ سے قسم لے (مثال) جس طرح کوئی فریق اپنے فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر کسی کو وکیل بنا دے جب کہ اسے کوئی مرض یا سفر وغیرہ کا عذر درپیش نہ ہو، تو قاضی اس میں بھی اجتہاد کرتا ہے، یہ مباحث ساتویں باب میں گزر چکے ہیں۔

مدعی اگر یوں کہے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں یا کہے میرے گواہ چھپ گئے ہیں، تو قاضی مدعا علیہ سے قسم لے لے۔

قسم کی تغلیظ

قاضی جب بھی مدعا علیہ سے حلف لے اگر مناسب سمجھے تو قسم کی تغلیظ کرے اور اگر مناسب نہ سمجھے تو تغلیظ نہ کرے، لیکن مدعا علیہ کو چاہئے کہ وہ تامل سے کام لے جب تک کہ اس پر بار بار قسم دھرائی نہ جائے۔ قاضی نے اگر مدعا علیہ سے یوں حلف لیا: باللہ الرحمن الرحیم (اللہ کی قسم جو رحمن رحیم ہے)۔ تو یہ ایک حلف ہوگا، اس سے اگر یوں حلف لے: "باللہ والرحمن والرحیم" (اللہ کی قسم، رحمن کی قسم اور رحیم کی قسم) تو یہ تین قسمیں ہوں گی۔ مدعا علیہ سے ایک قسم لینے کا حق ہوتا ہے۔

قسم کی تغلیظ کس طرح اور کب کی جائے؟

تغلیظ کی نوعیت مصنف نے اس طرح بیان کی ہے کہ قاضی مدعا علیہ سے یوں کہے: کہو میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو غائب اور حاضر کا جاننے والا،

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے' طالب و مدرک ہے' جو پوشیدہ اور مخفی امور کو اتنا ہی جانتا ہے جتنا علانیہ چیزوں کو' فلاں شخص کا میرے ذمہ کوئی حق نہیں ہے' جس فلاں فلاں کا مال اس نے دعوی کیا ہے میرے ذمہ نہیں ہے' میرے ذمہ اس کی کوئی چیز نہیں"۔

یہ ہے تغلیظ کی صورت' قاضی کو تغلیظ کرنے کی صورت میں اختیار ہے وہ جتنی چاہے اس میں کمی و بیشی کر سکتا ہے۔

اگر مدعا علیہ سے تغلیظ کے بغیر حلف لیا جائے تو حلف میں صرف اللہ تعالی کے نام کا ذکر کیا جائے اور یوں کہا جائے: واللہ (اللہ کی قسم)۔

اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے: بعض کہتے ہیں قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ہر مدعی بہ (جس چیز کا دعوی کیا جا رہا ہے) اور ہر مدعا علیہ کے معاملے میں میں تغلیظ کرے یا نہ کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدعا علیہ کی حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے' اگر قاضی اسے ایک شریف آدمی کی حیثیت سے جانتا ہو اس کو حلف دے اور صرف اللہ تعالی کے نام پر اکتفا کرے' اور اگر اسے کسی اور حیثیت میں جانتا ہے تو پھر قسم میں تغلیظ کرے۔

بعض کہتے ہیں کہ مدعی بہ کی کیفیت کو پیش نظر رکھا جائے' وہ اگر بہت زیادہ مالیت کی ہے تو حلف میں تغلیظ کی جائے' معمولی نوعیت کی ہے تو اللہ تعالی کے نام کے ذکر پر اکتفا کیا جائے۔

مندرجہ ذیل دعاوی میں سبب پہ حلف لیا جائے یا حاصل (نتیجہ) پر؟

دعوی مال مطلق

مدعا علیہ دعوی مال مطلق میں یوں حلف اٹھائے: "فلاں مال جس کا مدعی نے دعوی کیا ہے میرے ذمہ نہیں اور نہ اس کا کوئی حصہ"۔ احتیاط کے پیش نظر وہ پورے مال اور اس کے کچھ حصہ دونوں کا ذکر کرے' اس لئے کہ ہو سکتا ہے مدعا علیہ نے کچھ مال مدعی کو ادا کر دیا ہو جس کا

مدعی اس کی وصولی کا اقرار کرتا ہو اور مدعا علیہ اپنے ذمہ کسی چیز کے ہونے کا انکار کرکے مدعی سے اس مال کی واپسی کا مطالبہ کرے جو لے چکا ہے' اس لئے مدعا علیہ یوں حلف اٹھائے: "میرے ذمہ اس مال کا کچھ حصہ نہیں"۔

مدعا علیہ یوں حلف نہ اٹھائے "مدعی سے یہ مال نہ تو میں نے بطور قرض لیا ہے نہ اس سے چھینا ہے اور نہ اس نے مجھے امانت کے طور پر دیا ہے" اس لئے کہ ہو سکتا ہے مدعا علیہ نے مدعی سے مال بطور قرض لیا ہو یا اس سے غصب کیا ہو یا امانۃ لیا ہو لیکن پھر مال اس (مدعی) کو واپس کر دیا ہو'' ۔ اگر مدعا علیہ انکار کرتا ہے اور حلف اٹھاتا ہے تو وہ اس میں جھوٹا ہوگا اور قرض لینے یا غصب کرنے کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ دعوی بھی کرتا ہے کہ وہ قرض لوٹا چکا ہے اور امانت ادا کر چکا ہے تو ہو سکتا ہے اس صورت میں مدعی اس کا انکار کر دے۔

قاضی دونوں فریقوں کی رعایت کرے اور دونوں کے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھے اس لئے وہ مدعا علیہ سے اس طرح حلف نہ لے' خواہ مدعا علیہ نے قاضی سے درخواست کی ہو یا نہ کی ہو' قاضی (امانت والی صورت کے علاوہ) مدعا علیہ سے یوں حلف لے: "میرے ذمہ مدعی کا کچھ نہیں' مدعی نے جس مال کا دعوی کیا ہے میرے ذمہ نہیں ہے اور نہ اس کا کچھ حصہ میرے ذمہ ہے' اور امانت کی صورت میں اس سے یوں حلف لے: "مدعی نے جس مال کا دعوی کیا ہے وہ بطور امانت میرے قبضہ میں نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی حصہ میرے ذمہ اس کا کوئی حق ہے" اس لئے کہ اگر وہ امانت کو خرچ کر دیتا ہے یا کسی دوسرے شخص کو اس کا اتہ پتہ بتا دیتا ہے تو اس صورت میں امانت تو اس کے قبضہ میں نہ ہوگی لیکن اس کی قیمت کا تاوان اس کے ذمہ ضرور ہوگا اس لئے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں "میرے قبضہ میں نہیں ہے" بلکہ اسے یہ بھی کہنا چاہئے: "میرے ذمہ اس کا کوئی حق نہیں" اس لئے کہ اس کا یہ بیان "میرے ذمہ اس کا کوئی حق ہے" اس کا اطلاق دین پر بھی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ہر اس مال کے بارے میں جس کے متعلق مدعی نے مدعا علیہ کے ذمہ ہونے کا دعوی کیا ہو' قاضی مذکورہ بالا صورت کے مطابق مدعا علیہ سے حلف لے۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور امام حسن بن زیاد (۱۲) کا بھی

یہی قول ہے جہاں تک ظاہر الروایہ کے علاوہ کا تعلق ہے تو اس کی رو سے قاضی مدعا علیہ سے حاصل (نتیجہ) پر حلف لے۔

امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) سے روایت کیا گیا کہ اگر مدعی کا دعوی مال مطلق کے بارے میں ہو تو مدعا علیہ سے مال مطلق پر حلف لیا جائے' اور اگر دعوی سبب اور مال کے بارے میں ہو تو اس سے اسی مناسبت سے حلف لیا جائے' مثلاً اگر دعوی قرض کے بارے میں ہے تو قاضی مدعا علیہ سے یوں حلف لے: "اللہ کی قسم میں نے قرض نہیں لیا" دعوی اگر غصب کے بارے میں ہو تو یوں حلف لے: "اللہ کی قسم میں نے غصب نہیں کیا" اسی طرح جس طرح دعوی کیا گیا ہو اس طرح حلف لیا جائے۔ ہاں اگر مدعا علیہ قاضی سے یہ درخواست کرے کہ قاضی صاحب آپ اس طرح مجھ سے حلف نہ لیں کیوں کہ بعض اوقات ایک شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور اس کے ذمہ کوئی چیز نہیں ہوتی بایں طور کہ وہ قرض اسے واپس کر دے یا قرض خواہ مقروض کو بری الذمہ کر دے تو اس صورت میں قاضی مدعا علیہ سے حاصل (نتیجہ) پر حلف لے۔

ہمارے مشائخ (احناف) فرماتے ہیں کہ حلف لینے کی پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں احتیاط کا پہلو پایا جاتا ہے۔

شمس الائمہ امام حلوانی (م ۴۴۸ھ) نے اسی کتاب (ادب القاضی) کی شرح میں اسی طرح بیان کیا ہے۔انہوں نے کچھ روایات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر مدعا علیہ قرض لینے کا انکار کرے اور یہ کہے کہ میں نے قرض نہیں لیا تو اس سے سبب پر حلف لیا جائے یعنی "اللہ کی قسم میں نے قرض نہیں لیا" اور اگر وہ یوں کہے کہ مدعی نے مجھ پر جو دعوی کیا ہے میرے ذمہ نہیں ہے تو پھر اس سے حاصل پر یوں حلف لیا جائے: "اللہ کی قسم مدعی کا میرے ذمہ کچھ نہیں اور اس نے جس مال کا دعوی کیا ہے وہ میرے ذمہ نہیں اور اس مال میں سے میرے ذمہ کچھ نہیں" شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے بہتر قول ہے اور بیشتر قاضی حضرات اس صورت کو اپناتے ہیں۔